پروفیسر مرزا محمد منور (لاہور)

جنگ ستمبر ۶۵ء، قادیانی سازش کے خوفناک خدوخال

جناب پروفیسر محمد منور مرزا نے تاریخ کے مخفی گوشوں سے اس طرح نقاب اٹھایا ہے کہ کئی چہرے ننگے ہو گئے ہیں۔ حقائق کی تلاش میں سرگرم پاکستانیوں کے لیے ایک خصوصی تحریر۔

جنگِ ستمبر کی ماہیت اور اہمیت نیز نتائج و عواقب کے اعتبار سے ذوالفقار علی بھٹو پر نمایاں ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مسٹر بھٹو کے بعد سب سے زیادہ بارِ مسئولیت جنرل اختر ملک پر پڑتا ہے۔ تیسرا نامی اور گرامی نام جناب عزیز احمد صاحب کا ہے، اگر بھٹو کے فدائی فرمائیں گے کہ یہ نتائج عموماً ان لوگوں کی تحریروں سے لیے گئے ہیں جو بھٹو کے کئی اور وجوہ سے مخالف تھے۔

دنیا کے کئی بڑے خونی حادثات کے رونما ہونے کا اصل سبب بالعموم نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے تاریخ ہمیں جو کچھ دیتی ہے ضروری نہیں کہ وہی حقیقتِ واقعہ ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تاریخ کے صفحات پر جو کچھ مرقوم شدہ باقی بچ گیا ہو، وہ اصلیت کے بالکل اُلٹ ہو، ہماری آنکھوں کے سامنے لیاقت علی خان کی شہادت کا واقعہ رونما ہوا۔ آج تک کوئی حقیقی اور سچی روداد قلمبند نہیں ہوئی۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو نے کھلے بندوں پاکستان کو دولخت کیا، لیکن کوئی ایسی کتاب جو بھٹو کا اصلی کردار سو فی صد بیان کر دے موجود نہیں۔ البتہ بھٹو کے مقام کو کیا سے کیا کر کے یوں پیش کر دیا گیا ہے کہ بارِ جرم دوسروں پر زیادہ پڑے اور بھٹو پر کم۔ ایسی کئی گمراہ کن کتب بھٹو صاحب نے اپنے دورِ حکومت میں بڑے بڑے جغادری اہلِ ایمان سے لکھوائیں اور لائبریریوں کی زینت بنوائیں، یہ تو معاصر تاریخ کا حال ہے۔ پچاس یا سو سال بعد وہ محقق جو معاصر تحریری شہادتوں پر مبنی تحقیقی مقالے رقم فرمائیں گے۔ وہ داستان کو پورے خلوص کے باوصف کون سا رنگ عطا فرمائیں گے؟ اور یہ ظاہر ہے کہ روایتاً معاصر تحریروں کی بڑی وقعت ہوتی ہے، کیا آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے والے ڈنڈی نہیں مارتے؟ پھر بعد کے دور کا مورخ کیونکر گمراہ نہ ہو گا۔

میں یہاں سابق وزیر خارجہ پاکستان، میاں ارشد حسین مرحوم کے بیان کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔

میاں صاحب فرماتے ہیں:

"میرے خیال میں ۱۹۶۵ء کی جنگ نے ۱۹۷۱ء کی جنگ کو جنم دیا اور پہلی جنگ اور دوسری جنگ اور اس سے پیدا شدہ المناک نتائج کا اہم سبب ہے۔ کیا اب وقت نہیں آگیا کہ جنگ ۱۹۶۵ء کے اسباب، انتظام و انصرام اور نتائج کے بارے میں بھرپور تحقیقات کرائی جائے؟ ان میں سے بعض افراد جنہیں جنگ میں کلیدی حیثیت حاصل تھی، ہمارے درمیان موجود نہیں، مگر اب بھی ہم میں بہت سے لوگ موجود ہیں، جو اس موضوع پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ چودہ ہزار پاکستانیوں نے جو شہید یا زخمی ہوئے آزادی کی قیمت ادا کی۔ ان بہادر پاکستانیوں اور ان کے خاندانوں کی جانب سے ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان حقائق کو جو اب تک پردۂ راز میں ہیں بے نقاب کریں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جسٹس حمود الرحمان ایک اور تحقیقاتی کمیشن کی سربراہی کریں اور کمیشن کی رپورٹ منظرِ عام پر آسکے، تاشقند کا راز بھی بے نقاب ہو۔"

میاں ارشد صاحب کی یہ تحریر اکتوبر ۱۹۷۷ء میں ایک مراسلے کے طور پر "پاکستان ٹائمز" لاہور میں شائع ہوئی تھی۔ ظاہر ہے اس وقت ابھی جسٹس حمود الرحمان زندہ و سلامت تھے، ہاں سرکاری منصب سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ میاں صاحب کا یہ ارشاد کہ "جسٹس حمود الرحمان ایک اور کمیشن کی سربراہی کریں"، صاف طور پر بتا رہا ہے کہ جو کمیشن پہلے بٹھایا گیا تھا اس کے مقاصد محدود تھے ہمیں معلوم ہے کہ تحقیقات کا دائرہ کار زیادہ تر دسمبر ۱۹۷۱ء کے باب میں پاکستانی عساکر اور خصوصاً کمانداران اعلیٰ کی کارکردگی کا جائزہ لینا تھا، اہلِ سیاست نے کیا کردار ادا کیا تھا؟ اس کمیشن کے دائرۂ کار سے باہر تھا، یعنی اصل مجرم صاف بچا لیے گئے۔ سیاسی فیلڈ مارشل اور سیاسی جرنیل گویا سرتاسر معصوم تھے۔

پھر لطف یہ ہے کہ اس محدود اور معصوم سی انکوائری کی رپورٹ سے بھی عوام کو عوامی حکومت نے آگاہ نہ کیا۔ بہانہ یہ کہ اہلِ فوج ناراض ہوں گے۔ بھئی اصل فوج کے ناراض ہو جانے کا خطرہ تھا تو پھر انکوائری کا تکلف ہی کیوں کیا تھا؟ اور ویسے فوج کی جو عزت اُس عوامی دَور میں ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے کی جا رہی تھی، وہ فوج کے بھی سامنے تھی اور عوام بھی اسے دیکھ پڑھ اور سن رہے تھے۔ مزید برآں یہ کہ خود جسٹس حمود الرحمان مرحوم کے خیال میں اُس انکوائری رپورٹ کی اشاعت سے کوئی ایسی شرمندگی فوج کو لاحق نہ ہوتی۔

۱۹۷۶ء کے فروری کا آخری ہفتہ تھا یا شاید مارچ کا پہلا ہفتہ یوم حمید نظامی، جناح ہال میں منایا گیا، جسٹس محمود الرحمان صاحب کی صدارت تھی۔ میٹنگ کے بعد کھانا تھا، دوپہر کا کھانا، جس کے ضمن میں عزیز برادر حامد مجید نے اپنے گھر پر دعوت دے رکھی تھی۔ وہاں جسٹس محمود الرحمان صاحب سے بے تکلف ماحول میں کئی باتیں پوچھی گئیں۔ جن میں ایک یہ بھی تھی کہ اگر انکوائری کمیشن کی رپورٹ شائع ہو جائے تو کیا فوج والے بُرا مانیں گے؟ جسٹس صاحب نے فرمایا اس میں فوج کے خلاف کوئی ایسی خاص چیز نہیں کہ وہ بُرا مانیں یا توہین محسوس کریں۔

خیر بات تھی میاں ارشد حسین مرحوم کی۔ میاں صاحب اور مَیں جنوری ۱۹۸۰ء کے آغاز میں وزرائے خارجہ عالم اسلام کی اس میٹنگ میں بطور مبصر شریک تھے جو افغانستان پر روسی حملے سے پیدا شدہ صورتِ حال کے بارے میں منعقد ہوئی تھی۔ میاں صاحب مرحوم اور مَیں لاہور چلے بھی اکٹھے، کوئٹے بھی اکٹھے اور اسلام آباد میں بھی اکٹھے رہے۔ وہاں ہم دونوں کے لیے کار بھی مشترک تھی۔ اس اشتراکی صورتِ حال سے مَیں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ میاں صاحب بڑے شائستہ بزرگ تھے۔ ٹھہر ٹھہر کے میٹھے میٹھے انداز میں بات کرتے تھے، یہاں اور بہت سی باتیں ہوئیں۔ وہاں جنگ ۱۹۶۵ء کے ضمن میں بھی گفتگو رہی، بلکہ یہ موضوع کئی بار تبادلۂ خیال کی زد میں آیا۔

میاں صاحب مرحوم نے بڑے دُکھ کے ساتھ بار بار کہا کہ میں حیران ہوں پاکستان نے ۱۹۶۵ء کی احمقانہ جنگ کیوں چھیڑی؟ یہ "احمقانہ جنگ" میاں صاحب کے اپنے الفاظ ہیں، یہ میری تعبیر نہیں۔ میاں صاحب کا ارشاد تھا کہ پاکستان شاہراہ ترقی پر گامزن تھا۔ زرعی شعبے میں کیے جانے والے اقدامات نے پاکستانی اقتصادیات کو نمایاں سہارا دینا شروع کر دیا تھا۔ صنعت و حرفت کے میدان میں بھی ہماری رفتار بڑی تیز تھی، نئے نئے کالج اور یونیورسٹیاں کھل رہی تھیں۔ فوج کی نئے اور جدید انداز میں تعمیر جاری تھی۔ سامانِ جنگ کے باب میں بھی فقر کا عالم نہ تھا۔ بڑا چَین کا دَور تھا کہ اچانک اگست ۱۹۶۵ء میں جنگ نازل ہو گئی، بلکہ ہم نے اپنے اوپر نازل کر لی۔ اس جنگ کے باعث ہمیں وہ دھکا لگا کہ پھر ہم سنبھل نہ سکے۔ ہم آج تک اُس دھکے کے اثرات کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ اس جنگ نے ملکی سیاست کو ضعف پہنچایا، خود غرض بنگالی اہلِ سیاست نے اسی جنگ کے بہانے اپنی بے بسی کا رونا رویا کہ بنگالی یتامیٰ اور مساکین کی طرح چھوڑ دیے گئے تھے۔ ہمارا کون والی وارث تھا، لہٰذا ہمیں ہمارے استحکام اور بقائے وجود کے لیے یہ اور یہ خود مختاری دی جائے۔ معاہدۂ تاشقند نے کئی فتنوں کو جنم دیا۔ ایک فتنہ کشمیر کیس کا کمزور ہو جانا تھا۔ دوسرا فتنہ

مرکزی حکومت کا زوال وقار، مسٹر فتنہ بھٹو خود تھا جس نے یہ احوال خود ہی پیدا کیے اور پھر خود ہی دوسروں کو مجرم بنا کے بگڑی ہوئی قومی حالت سے اپنی ذاتی، وجاہت شکار کرنے لگ گئے۔ آخر بات مشرقی پاکستان کی پاکستان سے علٰحدگی تک پہنچی، صنعت و حرفت کی ترقی کا قدم رُک گیا۔ فوج کی اُبھرتی ہوئی جوان قیادت میجر، کیپٹن اور لیفٹیننٹ کرنل کے درجے کی جوان اور بہادر قیادت میدانِ شہادت میں ٹوٹ گئی۔ وہ قابل افراد آگے جا کے نہ جانے کس شان کے اعلیٰ قائدین جا کر بنتے۔

۶۵ء کی جنگ کا مسئلہ میاں ارشد حسین مرحوم کے لیے بہت تکلیف دہ احساسات کا مصدر و منبع تھا۔ باتوں باتوں میں مَیں نے پوچھا میاں صاحب ۱۹۶۵ء کی جنگ کے ارد گرد کا زمانہ وہ تھا جب آپ دہلی میں پاکستان کے ہائی کمشنر تھے۔ آپ تو سب کچھ دیکھ رہے تھے کہ بھارت کیا ردِ عمل ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ کیا آپ نے پاکستانی حکومت کو اس کے احمقانہ جنگ کی طرف لے جانے والے احوال کے باب میں کوئی رپورٹ نہ دی؟ میاں صاحب نے بڑے تاسف سے کہا، میری کسی بات کی طرف محکمۂ خارجہ پاکستان کے سربراہوں نے کوئی توجہ نہ دی، بلکہ بعد از جنگ جب میں نے ان سے پُوچھا کہ بھئی میں دہلی میں بیٹھا ہوا صورتِ حال کا مشاہدہ کر رہا تھا اور آپ کو اس راہ پر چلنے سے روکنے کے لیے مراسلے پر مراسلہ لکھ رہا تھا، تو کیا آپ نے میری یعنی اس شخص کی بات کو ذرہ بھر وزن عطا نہ فرمایا جو حقیقتِ واقعہ سے آپ کو آگاہ کرنے پر پوری طرح قادر تھا۔ اس کے جواب میں پتہ ہے پروفیسر صاحب! محکمۂ خارجہ کے کرتا دھرتا حضرات نے کیا ارشاد کیا ان کا ارشاد یہ تھا کہ میاں صاحب ہم کشمیر کے ضمن میں اس طرح مصروف تھے کہ ہم نے آپ سے بیگ "BAG" کم ہی کھولے اور اگر کھولے بھی تو آپ کے مہر زدہ لفافے کھولنے کی فرصت نہ ملی ــــــ دیکھا پروفیسر صاحب جس ملک کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی۔ اُس ملک میں اپنے بٹھائے گئے سب سے بڑے سرکاری نمائندے کے مراسلے ہی کھولنے کی تکلیف گوارا نہ کی گئی اور یہ وہ بات ہے جس کا میں اخبارات میں کئی بار ذکر کر چکا ہوں ـــــ اور ظاہر ہے میاں ارشد حسین صاحب اس منصبی غفلت یا کوتاہی یا دانستہ پہلوتہی کا سب سے بڑا مجرم عزیز احمد صاحب کو قرار دیتے تھے جو اُس دور میں پاکستان کے محکمۂ خارجہ کے سیکرٹری تھے، ان پر صدر ایوب خان کو بھرپور اعتماد تھا اور بھٹو صاحب کے تو وہ ہمدم و ہمراز تھے ہی۔

اسی سلسلے میں ایک بار یہ بھی فرمایا کہ مَیں آج تک حیران ہوں کہ فیلڈ مارشل صاحب جیسے انتہائی محتاط فرد کس طرح اس اقدام پر آمادہ ہو گئے۔ ایوب خان جنگجو مزاج کے نہ تھے، وہ ہر قدم پھونک پھونک کر اُٹھاتے تھے اس کے باوجود بھٹو صاحب اور جنرل اختر ملک کی سکیم اور تجویز انہوں نے کیونکر مان لی، انہوں نے کیونکر فرض کر لیا کہ کشمیر میں خواہ صورتِ حال کیسی ہی خطرناک کیوں نہ ہو جائے۔ جب تک کشمیر ہاتھ سے جاتا دکھائی دے تو بھی بھارت کشمیر کو بچانے کے لیے پاکستان پر حملہ نہ کرے گا؟ لیکن بھٹو صاحب نے "ڈیڈی ڈیڈی" کہہ کہہ کے کچھ ایسا اعتماد

ایوب خان کے دل میں پیدا کر دیا تھا۔ بھٹو صاحب نے ایوب خان کو یہ یقین دلایا کہ امریکہ ہمیں یہ اطمینان دلا رہا ہے کہ بھارت بین الاقوامی سرحد عبور نہیں کرے گا، لہٰذا پاکستان پر بھارتی یورش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ مسٹر عزیز احمد صاحب نے بھی بھٹو صاحب کی پُر زور تائید کی ہوگی، بہت کچھ تحریر میں آ چکا ہے، یہاں بات لمبی نہیں کرتا۔

میاں صاحب مرحوم کے بقول مسٹر عزیز احمد صاحب نے جنرل اختر ملک پر بھی اپنے اعتماد کا اظہار کیا اور بھٹو پر بھی۔ اس طرح جو اعتماد صدر ایوب خان کو ان دونوں پر تھا، وہ رنگ لایا۔ رہا ملک اختر تو ظاہر ہے کہ اس وقت تک ایوب خان کے دل میں جنرل ملک اختر کی بڑی قدر تھی اور وہ ان کی ذہانت کے بھی قائل تھا اور شجاعت کے بھی ـــ میاں ارشد حسین صاحب کی رائے میں بھٹو صاحب بہت زیادہ (AMBITIOUS) ہوا پرست تھے، ان کے سر میں جلد از جلد پاکستان کا حاکم اعلیٰ یا بادشاہ بننے کی دُھن سمائی تھی، وہ صبر کر ہی نہیں کر سکتے تھے۔ میاں صاحب کے خیال میں بھٹو صاحب نے بدنیتی سے امریکہ کی ضمانت یا یقین دہانی والی بات گھڑی تھی جس سے عیاں ہے کہ وہ بے خبری میں پاکستان پر بھارتی حملے کا اہتمام کر رہے تھے۔ انہیں امید تھی کہ اچانک بھرپور حملے کے نتیجے میں پاکستانی فوجوں کے پاؤں اکھڑ جاتے، اس طرح ایوب خان کا تخت ڈول جاتا اور بھارتی حکومت کے حسب منشا کوئی معاہدہ بھارت سے کر کے پاکستان کے حکمران بن جاتے۔ مشرقی پاکستان اس صورت میں بھی بھٹو صاحب کے پاکستان سے الگ ہو جاتا مگر آزاد ملک نہ رہتا، بھارت کا صوبہ بن چکا ہوتا اور یہ ہمارا پاکستانی ایک طرح کی بھارتی باج گزار مملکت سے زیادہ کچھ نہ ہوتا۔ ہاں بھٹو صاحب کی ہوس تو پوری ہو جاتی۔ اب قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ جنرل اختر ملک کے رویے کا کیا جواز تھا، کیا وہ بھی امریکی بھارتی یا بھٹوائی کھیل کھیل رہے تھے یا وہ صرف ایک فتح جو منہ زور کمانڈر کا کردار ادا کر رہے تھے؟ کیا جنرل اختر ملک کا کردار واقعی ایک محب وطن کا کردار تھا؟ یا کیا ملک اختر نے بھی بھٹو صاحب یا بھارت سے کوئی معاملہ کر رکھا تھا؟ ـــ آپ کی اس باب میں کیا رائے ہے؟

میاں ارشد حسین نے فرمایا جنرل ملک اختر کا بھٹو صاحب کے ساتھ گٹھ جوڑ تھا مگر دونوں کے مقاصد میں بڑا واضح فرق تھا۔ بھٹو صاحب کی ذات اسیر ہوا تھی، وہ اُمنگ کے ہاتھوں بے تاب تھے۔ انہیں کرسی چاہیے تھی اور جلدی، خواہ وہ کسی قیمت پر ملتی، لیکن جنرل اختر ملک کا مسئلہ مذہبی تھا بلکہ فرقہ وارانہ، مجھے بڑے ثقہ حضرات نے بتایا ہے کہ وہ اپنے مسیح موعود مرزا غلام احمد کے کسی قول کی عملی تعبیر اپنے ہاتھوں رونما ہوتے دیکھنا چاہتے تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے کہیں لکھ رکھا ہے کہ اگر قادیان کبھی میرے نیاز مندوں کے ہاتھ سے نکل بھی جائے ـــ

تو پھر اچانک ان کی گود میں آ پڑے گا، خواہ وہ کسی بھی تدبیر سے آئے۔

میں نے عرض کیا میاں صاحب یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب کے خوابی دھوان پر مبنی کسی قول کو عملاً پورا کر دکھانے کے جوش میں پورے ملک کی تقدیر کو خطرے میں ڈال دیا جائے۔ میاں صاحب بولے بہرحال ملک اختر کے دل میں تو قادیان کی بستی اچانک تمہاری گود میں آن پڑے گی، کو سچ کر دکھانا تھا تاکہ قادیانیت کی حقانیت دنیا بھر پر ثابت ہو سکے۔

میں نے کہا، میاں صاحب مجھ سے کئی قادیانی حضرات نے کشمیر میں جھڑپیں شروع ہونے پر پوچھا کہ " تَاْتِيْكَ بَغْتَةً " کا کیا معنیٰ ہے، میاں صاحب چونکے اور فرمایا۔ ہاں بس ایسی ہی عربی عبارت تھی جو مرزا غلام صاحب کی پیش گوئی کا لبِ لباب تھی اور اسی کی تعبیر عملاً بروئے کار لانے کی خاطر وطن کی تقدیر کو داؤ پر لگا دیا گیا تھا۔

میں نے وضاحت کی کہ میاں صاحب قرآن کریم میں ساعتِ قیامت کے بارے میں کئی بار آیا ہے اور وہ ہے " فَتَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً " (ساعتِ قیامت ان کو اچانک آن لے گی)، ہاں خود مجھ سے بھی ایک سے زیادہ بار پوچھا گیا ہے کہ " تَاْتِيْكَ بَغْتَةً " کا معنیٰ کیا ہے اور میں نے یہی عرض کیا ہے کہ مجھے تو اتنا ہی معلوم ہے یہ ساعتِ قیامت کی طرف اشارہ ہے کہ کسی سان گمان میں بھی نہ ہوگا اور قیامت آن لے گی اور لفظ تَاْتِيْكَ نہیں، بلکہ تَاْتِيَهُمْ ہے۔ اب عین ممکن ہے مرزائے قادیان نے " تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً " ہی کہا ہو کہ میرے ماننے والوں کو شہر قادیان دوبارہ اچانک یوں حاصل ہو جائے گا کہ ان کے سان گمان میں بھی نہ ہوگا اور یاد رکھنے والوں میں سے بعض کے ضعفِ حافظہ نے اسے " تَاْتِيْكَ بَغْتَةً " بنا دیا ہو۔

میں نے میاں صاحب مرحوم کو بتایا کہ جب چھمب جوڑیاں پر جھڑپیں شروع ہوئیں تو میں آرمی سکول آف ایجوکیشن اپر ٹوپہ مری میں اپنے ایک عزیز کے یہاں فروکش تھا۔ وہاں مجھ سے ایک جے سی او صاحب نے بھی یہی پوچھا تھا کہ " تَاْتِيْكَ بَغْتَةً " کا کیا معنیٰ ہے؟ اسی دور میں ایک بزرگوار تھے جو ماڈل ٹاؤن لاہور کے باسی تھے اور محترمی ظہیر الاسلام فاروقی صاحب کے پاس بوقتِ عشاء کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے اور تھے قادیانی المذہب، انہوں نے بھی مجھ سے یہی پوچھا تھا کہ " تَاْتِيْكَ بَغْتَةً " کا کیا معنیٰ ہے؟

جب میاں صاحب مرحوم نے جنرل اختر ملک کے باب میں بھی یہی کہا کہ جنرل اختر ملک کے سر میں یہ دھن سمائی تھی کہ مرزا غلام احمد صاحب کی فلاں مفہوم کی پیش گوئی کو سچ کر دکھائیں، تو اگرچہ یہ کلمات میرے لیے نئے نہیں تھے، تاہم میں چونکا ضرور، یا اللہ ایک جرنیل کے درجے کا آدمی اور فقط اپنی جماعت کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے ملک اور پندرہ بیس کروڑ

(بقیہ ۳۲ پر)